یومِ عاشوراء کا اسلامی طریقہ اور جاہلوں کا طرزِ عمل

[الأردية – اُردو – Urdu]

اعداد: شیخ عبد العزیز بن مرزوق طریفی۔حفظہ اللہ۔

ترجمہ: شفیق الرّحمن ضیاء اللہ مدنی

مراجعہ: عزیز الرحمن ضیاء اللہ سنابلی

ناشر: دفتر تعاون برائے دعوت وارشاد، ربوہ، ریاض

مملکتِ سعودی عرب

عاشوراء بين هدي الإسلام وهدي الجهلاء

إعداد: الشيخ/عبد العزيز بن مرزوق الطريفي-حفظه الله-

ترجمة: شفيق الرّحمن ضياء الله المدني

مراجعة:عزيز الرّحمن ضياء الله السنابلي

الناشر:مكتب توعية الجاليات بالربوة، الرياض

المملكة العربية السّعودية

یومِ عاشوراء کا اسلامی طریقہ اور جاہلوں کا طرزِ عمل

مصدر :شبكة الدِّفاع عن السُّنّة

http://www.dd-sunnah.net/forum/showthread.php?t=7675

بسم اللہ الرّحمن الرّحیم

ہر طرح کی تعریف و توصیف صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے، میں اس کی مکمل تعریف بیان کرتا ہوں، اوراس کے بندے و نبی محمد ﷺ پر درود وسلام بھیجتا ہوں۔

حمد وصلاۃ کے بعد:

اسلام میں دسویں محرّم (عاشوراء) کا دن نہایت ہی عظمت ومرتبت والا ہے، نبی ﷺ ہجرت سے قبل اور اس کے بعد اس روز نعمتِ الٰہی کے شکرانے کے طور پر روزہ رکھتے تھے، کیونکہ اسی دن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے ظلم وجور سے نجات دلایا تھا، اور یہی اس دن کے فضیلت کی اصل ہے، اور دیگر (ایام) پر اس کے منقبت کی ابتدا ہے۔

دیگر ایام پر اس کی خصوصیت اوراہمیت کی وجہ ہے:

زمانہ جاہلیت میں نبی ﷺ اس دن روزہ رکھتے تھے حتیٰ کہ مکہ میں کفّارِ قریش اور مدینہ میں یہودی بھی اس دن کا روزہ رکھتے تھے، چنانچہ صحیحین میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ: ”جب رسول ﷺ مدینہ تشریف لائے تو یہودیوں کو یوم عاشوراء کا روزہ رکھتے ہوئے پایا، تو ان سے پوچھا کہ: یہ کیسا دن ہے جس میں تم روزہ رکھتے ہو؟، انہوں نے کہا: یہ عظیم دن ہے، اس دن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو فرعون کے ظلم وجور سے نجات دلایا تھا، اور فرعون اور اس کی قوم کو غرق آب کیا تھا، تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس دن شکرانے کے طور پر یہ روزہ رکھا تھا چنانچہ ہم بھی اس دن کا روزہ رکھتے ہیں، نبی ﷺ نے فرمایا: ”ہم حضرت موسی علیہ السلام کے طرز عمل کو اپنانے کے لیے تم (یہودیوں) سے زیادہ حق دار ہیں سو آپ نے خود بھی دس محرم کا روزہ رکھا اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا۔“

اور بطور تاکید نبی ﷺ نے رمضان سے پہلے اس کے روزہ کو فرض قرار دیا تھا پھر رمضان کی فرضیت کے بعد یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

یوم عاشوراء کی دیگر ایّام پر فضیلت کے چند اسباب:

۱۔ تمام انبیاء علیہم السلام کا مسلسل اس دن روزہ رکھنا، اور جہاں تک رہی بات "مسند" احمد کی روایت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے قبل اس دن روزہ رکھنے کی جو بات ہے، تو یہ صحیح نہیں ہے،اور یہ بات معلوم ہونی چاہیے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنو اسرائیل کی طرف بھیجے گئے تھے،اور موسیٰ علیہ السلام کی قوم یہود میں سے جس نے ان کی اتباع و پیروی نہیں کیا لیکن موسیٰ علیہ السلام پر ایمان رکھتا تھا، تو وہ کافر ہے، چنانچہ عبد اللہ بن سلام نبی ﷺ کے پاس تشریف لانے سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور نصرانیت کی اتباع و پیروی نہ کرنے کی وجہ سے کافر تھے۔

اور صحیح مسلم میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ :"جب رسول ﷺ نے دسویں محرّم کا روزہ رکھا اور اس کے روزہ رکھنے کا حکم دیا تو صحابہ کرام نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ یہ ایسا دن ہے جس کی یہود ونصاریٰ تعظیم کرتے ہیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: جب آئندہ سال ہو گا تو نویں محرّم کا روزہ رکھیں گے،راوی کہتے ہیں کہ: جب آئندہ سال آیا تو رسول ﷺ وفات پا چکے تھے۔"

۲۔ رمضان سے پہلے اس کا فرض ہونا، اور یہ فرضیت صرف صیامِ عاشوراء کے لئے ہی تھی، مگر جب ماہِ رمضان کے روزے کی فرضیت ہوئی تو رسول ﷺ

نے اس کا روزہ رکھنا چھوڑ دیا، البتہ صحابہ کرام کو یوم عاشوراء کے دن روزہ رکھنے کے بارے میں تاکیدی حکم دیا، اور وہ اس دن روزہ رکھنے کے حریص بھی تھے۔ جیسا کہ صحیحین میں ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں وارد ہے کہ انہوں نے فرمایا: ''نبی ﷺ نے عاشوراء کا روزہ رکھا اور اس کے روزہ رکھنے کا حکم بھی دیا، اور جب رمضان کا روزہ فرض ہوا تو اس (عاشوراء) کا روزہ رکھنا ترک کر دیا''۔ اور یہ حدیث فرضیت کے منسوخ ہونے اور استحباب کے باقی رہنے پر دلیل ہے۔

۳۔ نبی ﷺ کا مبلغین کو بھیج کر لوگوں میں اس دن کے روزے کا اعلان کروانا، اور ایسا آپ ﷺ نے عاشوراء اور رمضان کے علاوہ کسی بھی نفلی روزہ کے بارے میں نہیں کیا، چنانچہ صحیحین میں ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: ''عاشوراء کی صبح کو رسول ﷺ نے مدینہ کے ارد گرد انصار کی بستیوں میں یہ کہلا بھیجا کہ: ''جس نے روزہ کی حالت میں صبح کی وہ اپنا روزہ پورا کر لے اور جس نے کچھ کھا پی لیا ہے وہ بھی بقیہ دن بھر کچھ نہ کھائے پیئے، بلکہ روزہ داروں کی طرح رہے، ربیع کا بیان ہے کہ: اس کے بعد سے ہم لوگ یوم عاشوراء کا روزہ رکھا کرتے تھے اور اپنے چھوٹے بچوں کو بھی رکھواتے تھے۔ ہم مسجد میں جاتے تو بچوں کو کھیلنے کے لئے روئی کا کھلونا بنا دیتے تھے۔ جب کوئی بچہ کھانے کی

ضد کرتا اور روتا تو اسے کھلونا دے کر بہلا لیتے حتٰی کہ افطار کا وقت ہو جاتا۔" اور ایک دوسری روایت میں ہے:" اور جب وہ ہم سے کھانا مانگتے تو ہم انہیں گڑیا دے کر بہلا دیتے یہاں تک کہ وہ روزہ پورا کر لیتے۔"

فضائلِ عاشوراء:

یومِ عاشوراء کا روزہ ایک سال کے گناہوں کے کفارے کا سبب ہے، جیسا کہ صحیح مسلم میں ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے نبی ﷺ سے یوم عاشوراء کے روزہ کے بارے میں دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:" مجھے اللہ تعالیٰ سے یہی امید ہے کہ یہ گزشتہ سال کے گناہ کو مٹا دے گا۔ "

اور عاشوراء کی یہ فضیلت عرفہ کے روزہ کے علاوہ کسی بھی نفلی روزے کی فضیلت کو حاصل نہیں ہے، کیونکہ عرفہ کا روزہ رکھنا گزشتہ سال اور آئندہ سال کے گناہ کا کفّارہ بن جاتا ہے۔ اور جس نے عاشوراء اور عرفہ کا روزہ رکھا تو گویا اس نے سال گزشتہ کے گناہوں کے کفارہ کے اسباب کو جمع کر لیا، اور یہ اس کے حق میں دوسرے کی بہ نسبت زیادہ موکّد و ثابت ہو گیا، ساتھ ہی اس عمل کا لکھا ہو ثواب بھی حاصل ہو گا۔ جیسا کہ گنہگار شخص کثرت سے استغفار کرتا ہے، جبکہ سچّی توبہ صرف ایک مرتبہ استغفار کرنے سے قبول ہو جاتی ہے، لیکن

شارع نے استغفار، عرفہ اور عاشوراء کے روزے کے ساتھ ہی گناہ کے کفّارے کا تذکرہ کیا، اور گناہ کے کفّارہ کے علاوہ دیگر فضائل اور بہترین انجام کو نہیں ذکر کیا، کیونکہ گناہیں بھلائی کے جانے اور برائی کے آنے کا سبب ہیں، اور جیسا کہ اثر میں ہے:

"مصیبت وآزمائش صرف گناہ سے نازل ہوتی ہے۔"

اور جب گناہیں ختم ہو جاتی ہیں تو بندہ سے اس کی لوازمات و نحوستیں ختم ہو جاتی ہیں، اور جب یہ بلا ٹل جاتی ہے تو اس کی جگہ خیر وبرکت نازل ہو جاتی ہے، اسی لئے شارع نے آثار ولوازمات کے ذکر سے زیادہ اسباب و وسائل پر دھیان دیا ہے، اور یہ شریعت کے تمام ابواب میں ہے۔

۴۔ نبی ﷺ کا عاشوراء کے روزہ کا شدّت سے کوشش (تلاش) و جستجو کرنا، بلکہ اس کی تلاش و جستجو رمضان کے روزہ کی تلاش و جستجو سے ملائی گئی ہے، جیسا کہ صحیحین میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ: "میں نے نبی ﷺ کو یوم عاشوراء اور ماہ رمضان کے روزہ کے فضل کو تلاش کرنے سے زیادہ کسی اور کام میں منہمک نہیں دیکھا"۔

۵۔صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم کا عاشوراء کے روزہ کا شدید حرص رکھنا اور اس کا حکم دینا، اور اس کے فوت ہونے کا اندیشہ رکھنا، جیسا کہ ابن جریر طبریؒ نے اپنی کتاب" تہذیب الآثار" میں اسود رحمۃ اللہ علیہ سے بیان کیا ہے کہ:"میں نے رسول ﷺ کے ساتھیوں میں سے علی وابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما کے علاوہ یوم عاشوراء کے روزہ کا حکم دیتے کسی کو (زیادہ) نہیں پایا۔"

اور عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ:"وہ عاشوراء کے دن چاشت کے وقت بیدار ہوئے یہاں تک کہ دن چڑھ گیا اور انہیں اس کا پتانہ چلا، جب انہیں اس کا علم ہوا تو گبھرا گئے، پھر انہوں نے روزہ رکھا اور ہمیں چاشت کے بعد روزہ رکھنے کا حکم دیا۔" اور یہ (تمام) صحیح آثار ہیں۔

یہود ونصاریٰ کی مخالفت میں یوم عاشوراء اور اس سے ایک دن قبل روزہ رکھنا مشروع ہے، کیونکہ وہ صرف عاشوراء کا روزہ رکھتے ہیں۔

اور نبی ﷺ صرف عاشوراء کا روزہ رکھتے تھے پھر اہل کتاب کی مخالفت میں اس سے ایک دن پہلے روزہ رکھنے کو مشروع قرار دیا، جیسا کہ صحیح مسلم میں حکم بن اعرج سے منقول ہے کہ:"میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس اس حال میں

گیا کہ وہ زمزم کے پاس اپنے چادر سے ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے تھے، میں نے کہا: مجھے عاشوراء کے روزہ کے بارے میں بتلائیں؟ تو انہوں نے کہا: جب تو محرّم کا چاند دیکھے تو اسے شمار کرنا شروع کر دے اور نویں (محرّم) کی صبح روزہ رکھ، میں نے کہا: کیا اسی طرح رسول ﷺ اس دن کا روزہ رکھتے تھے؟ انہوں نے کہا: ہاں۔"

اور اس میں اس بات کی صراحت ہے کہ نبی ﷺ نے نویں و دسویں محرّم کے روزہ کو مشروع قرار دیا ہے، وہ اس لئے کہ "عاشوراء" کا نام عاشوراء اس وجہ سے پڑا کہ وہ دسویں محرّم کا دن ہے، اور نویں محرّم کو "تاسوعاء" کہتے ہیں، اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے نویں محرّم کے روزہ کا حکم دسویں کا علم رکھتے ہوئے دیا۔

اور اسی طرح سلف صحابہ وغیرہم کا عمل تھا کہ وہ عاشوراء اور اس سے ایک دن پہلے کا روزہ رکھتے تھے، اور یہ چیز ابن عباس، ابن سیرین وغیرہما سے ثابت ہے، چنانچہ ابن سیرین کے بارے میں آتا ہے کہ وہ دسویں کا روزہ رکھتے تھے اور جب انہیں یہ خبر ملی کی ابن عباس رضی اللہ عنہما نویں اور دسویں کا روزہ رکھتے ہیں تو انہوں نے بھی ان دونوں کا روزہ (رکھنا شروع کر دیا)۔

اور عبد الرزاق نے اپنی کتاب "المصنّف" میں اور بیہقی وغیرہما نے ابن جریج سے روایت کیا ہے، اور انہیں عطاء نے خبر دیا ہے، اور انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یومِ عاشوراء کے بارے میں یہ کہتے ہوئے سنا کہ: "یہود کی مخالفت کرو اور نوویں و دسویں کا روزہ رکھو۔"

رہی بات تین دن روزہ رکھنے[1] کی یعنی یومِ عاشوراء (دسویں محرّم) اور اس سے ایک دن قبل اور اس کے ایک دن بعد کی، تو اس سلسلے میں کوئی صحیح دلیل نہیں ہے، اور پھر یہ کہ نبی ﷺ نے (یہودیوں کی) مخالفت کا ارادہ کیا تھا، اور مخالفت صرف نویں کو روزہ رکھنے سے

---

(۱) -جیسا کہ ابن قیم رحمہ اللہ علیہ نے (زاد المعاد: ج ۲ ص ۷۵) میں عاشوراء کے روزے کے تین مراتب ذکر کئے ہیں:

۱- کامل ترین مرتبہ یہ ہے کہ ایک دن پہلے اور ایک دن بعد میں روزہ رکھا جائے۔

۲- دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ نو اور دس کا روزہ رکھا جائے اور اکثر احادیث اسی پر (دلالت کرتی) ہیں۔

۳- یا صرف دس محرّم کا ہی روزہ رکھا جائے۔

اور جہاں تک رہی بات نویں کو صرف روزہ کیلئے خاص کرنا تو یہ آثار وحدیث کے نہ سمجھنے، اور اس کے الفاظ وطرق کی عدم تتبع کی وجہ سے ہے، اور یہ لغت وشرع کے اعتبار سے بعید تر ہے، اور اللہ ہی درستگی کی توفیق دینے والا ہے۔ (مترجم)

حاصل ہو جاتی ہے، اور صحابہ کرام میں سے کسی سے گیارہویں محرّم کا روزہ رکھنا ثابت نہیں ہے۔

بلکہ یہ بعض سلف تابعین طاوس بن کیسان وغیرہ سے آیا ہے، جیسا کہ ابن ابی شیبہ کے یہاں ثابت ہے کہ وہ (طاوس بن کیسان) عاشوراء کے فوت ہونے کے اندیشہ سے عاشوراء اور اس سے ایک دن قبل اور ایک دن بعد کا روزہ رکھتے تھے۔

اور اگر اس دن سے پہلے اور بعد کچھ بھی نہ رکھے اور صرف عاشوراء کا روزہ رکھے تو کوئی حرج نہیں ہے، البتہ استطاعت کے باوجود نہ رکھنا خلاف اولیٰ ہے، اور اس میں کم سے کم درجہ کی اتباع ہے اور اس میں حدیث کے مطابق کفّارہ (گناہ مٹنے) کا اجر متحقّق و ثابت ہو گا، لیکن یہود کی مخالفت کا اجر نہیں حاصل ہو گا۔

اور بعض سلف سے دسویں محرّم کے روزہ کی تخصیص ثابت ہے جیسا کہ عبد الرزاق نے اپنی کتاب ''المصنّف '' میں ابو بکر بن عبد الرحمن بن

حارث سے ذکر کیا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے عبد الرحمن بن حارث کو عاشوراء کی شام یہ کہلا بھیجا: ”سحری کھاؤ اور روزہ کے ساتھ صبح کرو، چنانچہ عبد الرحمن نے روزہ کے ساتھ صبح کیا۔“

عاشوراء کے دن کیے جانے والے غیر مشروع (ناجائز) اعمال:

عاشوراء کو غم وماتم کا دن بنا دینا، جیسا کہ رافضہ کرتے ہیں، یہ سخت ترین منکر اور اسلام کے اندر جاہلانہ طرز عمل ہے اور عقل سلیم کے خلاف ہے، اور اس کے چند وجوہات ہیں:

اوّل: یہ عمل یوم عاشوراء کو نبی ﷺ کی طرف سے انجام دیئے جانے والے طریقہ کے خلاف ہے، کیونکہ آپ ﷺ اس دن خوش ہوتے، اس کی آمد پر سعادت محسوس کرتے، اور منعمِ حقیقی (رب) کا اس نعمت پر روزہ رکھ کر شکر ادا کرتے تھے، اور رہی بات اس دن کا حزن وغضب، سینہ کوبی وتطبیر (شیعہ کے نزدیک تلوار وغیرہ سے سر کو زخمی کرنا تطبیر کہلاتا ہے)، اور خون بہا کر استقبال کرنا تو یہ نعمتِ الٰہی کی ناشکری ہے، اور دین میں نئی بدعت کا ایجاد کرنا ہے، اور عقلوں کو ابلیس کے سپرد کرنا ہے، اور جاہلوں کو سمجھانا ہے۔ اور یہ لوگ اس دن جو کرتے ہیں وہ ہر دن اور ہر مصیبت کے لمحے میں ناجائز ہے تو پھر مقامِ عبادت

میں، عظیم نعمت کی شکر پر، اور آسمانی شریعت میں جس پر تمام ملت بشمول اہل کتاب اور اہل اسلام سب متفق ہیں، کیسے جائز ہو سکتا ہے؟

اور پھر اسلام میں اصل یہی ہے کہ فروع کے اندر ہر شریعت منصوص و مخصوص دلیلوں کی بنا پر مستقل حکم رکھتی ہے، اس کے باوجود یوم عاشوراء اپنی جلالت قدر اور اس میں نعمت و احسان کی عظمت کی وجہ سے اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہے، اسی لئے انبیاء اور ان کے متبوعین کے نزدیک قیامت تک دائمی شکر کا مستحق ہوئی۔ اور ٹھوس سبب اور اللہ کی عظیم حکمت ،اور اس کے ظہور کی وجہ سے نبی ﷺ کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اقتداء کرنا درست قرار پائی، جبکہ اصل یہی ہے، جیسا کہ خبر میں نبی ﷺ سے وارد ہے:

"اگر موسیٰ (علیہ السلام) بھی زندہ ہوتے تو انہیں بھی میری اتباع کے علاوہ کوئی چارۂ کار نہیں ہوتا"۔

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام آخری زمانہ میں نازل ہوں گے اور انہیں بھی محمد ﷺ کی شریعت کے مطابق حکم دینے کے علاوہ کوئی چارہ نہ ہو گا۔ اسی وجہ سے موسیٰؑ ، عیسیٰؑ اور محمد ﷺ کے ثابت شدہ ٹھوس طریقے کی مخالفت رافضہ کے یہاں مزید بڑھ جاتی ہے۔

اور پھر ان (عاشوراء کے دن کیے جانے والے ناجائز) اعمال میں عقل سلیم اور سچی منطق کی مخالفت پائی جاتی ہے جو تعصّب کو بالائے طاق رکھ کر غور و فکر کرنے والے کے لئے خوب واضح اور نمایاں ہے، اور اس کے چند اسباب ہیں:

اوّل: آدم علیہ الصلاۃ والسلام کے نزول سے لے کر زمین پر اترنے تک یہ نہیں معلوم کہ لوگوں میں سے کسی بھی امّت نے اپنی مشہور شخصیت اور پیروکار کو اس کے علوشان اور قدر و منزلت کے باوجود انتقال ہو جانے کے بعد ان کا ایسا ماتم منایا ہو جس میں نوحہ، سینہ کوبی وتطبیر (تلوار وغیرہ کے ذریعہ سر زخمی کرنا) کے ذریعہ عبادت کی جاتی ہو جیسا کہ رافضہ کرتے ہیں، اور نقل اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ بہت سارے اسلاف ایسے ہیں جو جلیل القدر صحابی حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے بلند مقام واعلیٰ مرتبہ والے تھے، جیسے انبیاء ورسل صلی اللہ علیہ وسلم، چنانچہ ان میں سے بعض قتل کئے گئے جیسے یحیٰ علیہ السلام، اور بعض کو ان کی قوم نے پھانسی پر چڑھانے کا دعویٰ کیا جیسے عیسیٰ علیہ السلام، اسی طرح زمین کے بادشاہوں، قوموں کے سرداران اور ان کے سچے وجھوٹے متبوعین وپیروکاروں نے امتدادِ زمانہ ومرورایّام کے مطابق اس سلسلے کا کوئی کام نہیں کیا۔ اور عقل اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ بعض قبائل بعض کا نقل کرتی ہے، اور ایک دوسرے کے اعمال سے اپنے اعمال کا اعتبار کرتی ہے گرچہ بعض

وجہوں سے ہی کیوں نہ ہو، تو یہ (عمل) کیسے (مشروع) ہو سکتا ہے جب اس کی جگہ تشریعی وتوقیفی ہو، اور (یہ عمل) کیسے (جائز) ہو سکتا ہے جبکہ شریعت نے اس چیز سے منع کیا ہے۔

دوم: اللہ تعالیٰ کے علاوہ عبادت کئے جانے والے معبود، اور ان کے ساتھ عبادت گزاروں کا تعلق دوسروں سے اشد ہے، اور وہ انہیں سے اپنی حیات وموت، اور آمد ورفت کو وابستہ کرتے ہیں، جیسا کہ ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کی قوم اور ہمارے نبی صَلَّى ٱللَّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی قوم کرتی ہے، تو دونوں خلیلوں نے مشرکین کے معبودوں کے ٹکڑے کر ڈالے، تو انہوں نے وہ نہیں کیا جو ان لوگوں نے کیا، اور اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں کہتا ہے: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَن يَتَّخِذُ مِن دُونِ اللَّـهِ أَندَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّـهِ ۖ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِّلَّـهِ ۗ﴾[البقرة: ١٦٥] ”بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے شریک اوروں کو ٹھہرا کر ان سے ایسی محبت رکھتے ہیں، جیسی محبت اللہ تعالیٰ سے ہونی چاہیئے اور ایمان والے اللہ تعالیٰ کی محبت میں بہت سخت ہوتے ہیں۔“

اور جب ہم مشرکین کے حال کی خبر دینے کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کی سچائی کا تصدیق کرتے ہیں کہ ان کی اپنے معبودوں سے دوستی اللہ تعالیٰ کی محبت سے بڑھ کر ہے، اور یہ اس غیب سے ہے جو صرف وحی سے جانی جا سکتی ہے، کیونکہ مجرد

دعویٰ کو قبول نہیں کیا جاسکتا اس لئے کہ اس میں صدق وکذب کا احتمال پایا جاتا ہے، اس کے باوجود انہوں نے وہ نہیں کیا جو ان کے علاوہ لوگوں نے کیا، تو اس کا فاعل اس بات سے خالی نہیں ہو گا یا تو وہ اپنے فعل میں سچا ہو گا، اور اس کا گمان ہے کہ اس کا دافع محبت ہے، جبکہ عقل اس گمان کا تردید کرتی ہے، یا تو اس نے اس فعل کو حقیقی محبت سے خالی ہو کر کیا ہو گا، بلکہ اس چیز کے کرنے پر اسے جھوٹی محبت اور دھوکہ باز نفس نے ابھارا ہو گا، اور دشمن ومدّمقابل کو اس طریقے سے غیض وغضب میں ڈالنے کے لئے کیا ہو گا جس کا سبب واقتضا کے قیام کے باوجود ماضی میں کوئی ذکر نہیں۔ یا یہ فعل اس حُبّ کی بنا پر ہو گا جو آیت میں مذکور مشرکین کی محبت سے زیادہ ہو گا، اور یہ بات اگر صحیح وجائز ہو جائے تو صریح کفر ہو گا۔

سوم: علی رضی اللہ عنہ جو اسلام میں کافی مقام ومرتبہ اور شان والے ہیں، اور وہ تمام متاخرین شیعہ کے نزدیک تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر فوقیت رکھتے ہیں، اور صحابہ میں سے حسن وحسین رضی اللہ عنہم بھی ہیں۔ اور علی رضی اللہ عنہ)اہل اسلام کی سچی اقرار کے مطابق مظلوم ہو کر قتل کئے گئے، جنہیں عبد الرحمن بن ملجم مرادی نے سن چالیس ہجری میں قتل کیا، اس کے باوجود ان کے قتل کے دن صحابہ میں سے ان کے ساتھیوں وپیرکاروں جن میں سے حسن

وحسین بھی تھے وہ کام نہیں کئے جو حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت پر کیا گیا، حالانکہ ان کے بیٹے حسن ان کی قتل کے بعد اکیس برس تک زندہ رہے، اور وہ لوگوں کی بہ نسبت اپنے والد کے قتل کے دِن ولمحہ کو زیادہ جاننے والے تھے، اور وہ ان کے سب سے زیادہ قریب ومستحق تھے، پھر بھی انہوں نے اپنے باپ کی موت پر کچھ بھی نہیں کیا۔ بلکہ حسن بن علی رضی اللہ عنہ فوت ہوئے جو ان کے سگے ومحبوب بھائی تھے، اوراس وقت وہ سن ۴۸ھ میں زندہ تھے، لیکن حسین رضی اللہ عنہ نے ان سب کاموں میں سے کچھ بھی نہیں کیا، بلکہ حسین رضی اللہ عنہ نے نمازِ جنازہ کے لئے دوسرے کو بڑھایا، چنانچہ انہوں نے سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کو ان کے مقام ومرتبہ کی وجہ سے نماز کے لئے آگے بڑھایا باوجودیکہ ان کے مابین (کچھ اختلاف) بھی تھا، جیسا کہ عبد الرزاق نے اپنی کتاب "المصنّف" میں سفیان سے، ان سے سالم بن ابی حفصہ نے، ان سے ابوحازم نے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ: میں حسن کی وفات کے دن حاضر ہوا تو میں نے حسین رضی اللہ عنہ کو سعید بن عاص کو کہتے ہوئے دیکھا اور آپ ان کے گردن میں کوچ رہے تھے:

" آگے بڑھیں کیونکہ اگر یہ سنت نہ ہوتی تو میں آپ کو نہ بڑھاتا۔"

اور حسن وحسین رضی اللہ عنہما جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں۔

چہارم: شہادت حسین کے دن جو کچھ سینہ کوبی، تطبیر (تلوار وغیرہ سے سر زخمی کرنا)، نوحہ وبین، رخسار پیٹتے اور اجتماع کرتے ہیں اگر یہ عقل وشرع کے اعتبار سے درست ہوتی تو اس میں قیاس درست ہوتا، اور اس فعل کو درست قرار دینے والے پر یہ لازم ہوتا کہ وہ ان تمام اسلامی جماعت کے فعل کو درست قرار دے جو اپنے مظلوم و مجبور و مقہور مقتولین پر کرتی ہیں، گرچہ تنزل کے باب سے ہی سہی کیونکہ اسلامی جماعتیں آپس میں اصل کے اعتبار سے فضیلت میں متفق ہیں۔

اور اس طرح پورے سال ماتم کی سی کیفیت برپا ہو جاتی جس میں صرف اور صرف چہروں کو نوچنے، سینوں کو چاک کرنے اور آہ وبکا کا ایک لامتناہی عمل بن کے رہ جاتا، اور ہر جماعت اپنی جیسی تمام دوسری جماعتوں کو اس میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لینے اور شریک ہونے کی دعوت دیتی۔

اس میں حق اور اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے راستے سے روگردانی ہے، دین ودنیا کی مصلحتوں کی خلاف ورزی ہے، اسے ایک کم فہم آدمی بھی سمجھ سکتا ہے چہ جائیکہ داناوبینا شخص۔

تعجّب کی بات ہے کی یہ جماعت اس طرح کے فعل بد کو دین وشریعت کا عمل قرار دیتی ہے حالانکہ شریعت کا مخاطب ہر وہ شخص ہے جس نے اسلام قبول کیا اور اسے بطور دین تسلیم کیا،اور چونکہ محمد ﷺ پوری انسانیت کی طرف مبعوث کئے گئے تھے اس لئے اس شخص کا قول بالکل تعجّب خیز نہیں جو یہ مانتا ہے کہ کفّار بھی دین اسلام کے فروعی قوانین کے مخاطب ہیں۔

ان تمام (اعمال) کی ردّ کے لئے اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کا یہ فرمان کافی ہے :(من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو ردّ)۔

"جس نے دین میں کوئی ایسا کام کیا جو اس میں سے نہیں ہے وہ مردود ہے۔"

اسی طرح بعض علماء جو یوم عاشوراء کو اہل وعیال پر خرچ کرنے میں کشادگی کے استحباب کا تذکرہ کرتے ہیں، تو اس باب میں جو کچھ بھی وارد ہے وہ درست نہیں ہے، اور اس کا ائمہ ناقدین احمد وغیرہ نے انکار کیا ہے۔

اور یوم عاشوراء کو غسل ونظافت، طہارت وپاکی، سُرمہ وخضاب لگانے کے لئے مخصوص کرنے کی کوئی دلیل نہیں ہے، اور نہ ہی سلف میں سے کسی نے اسے مطلق طور پر مستحب گردانا ہے۔

واللہ اعلم۔

عبد العزیز بن مرزوق الطریفی

(طالبِ دُعا: abufaisalzia@yahoo.com)

IslamHouse.com